قانون امتناعِ جنسی استحصال: ایک تجزیہ

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

کچھ عرصہ قبل لاہور-سیالکوٹ موٹروے پر ہونے والے شرمناک واقعے کے ردعمل کے طور پر وزارتِ قانون نے ۲۶ نومبر ۲۰۲۰ء کو ایک حکم نامے کا مسودہ جاری کیا ہے، جو گیارہ نکات پر مشتمل ہے۔ ان نکات میں مروجہ قانون میں وہ اصلاحات تجویز کی گئی ہیں، جن پر عمل درآمد سے وزارتِ قانون و عدل کے ماہرین کے خیال میں اس انسانیت سوز جرم میں کمی واقع ہوسکتی ہے۔ اَشک شوئی کے لیے ہی سہی، خلوصِ نیت اور ذمہ داری کے ساتھ جو اقدامات بھی کیے جائیں، ان سے وارداتوں میں کمی کا امکان ہوسکتا ہے۔

ہماری نگاہ میں مسئلہ محض کسی مروجہ قانون میں جزوی تبدیلی کا نہیں ہے بلکہ اس نظامِ قانون کے بنیادی تصورات کی تبدیلی اور ہمارے تصور معاشرہ، معروف ومنکر، حلال وحرام، جائز وناجائز اور بنیادی اخلاقی اقدار کا ہے۔ اس لیے جب تک مسئلے کے قانونی پہلو کے ساتھ ساتھ اخلاقی، سماجی اور معاشرتی اقدار شامل کر کے ایک جامع اور قابلِ عمل حکمت عملی وضع نہیں کی جائے گی، صرف چند قانونی دفعات میں ردّوبدل سے حالات میں تبدیلی کی خواہش محض ایک خوش فہمی ہوگی۔

اصل مسئلہ

سرکاری اور غیرسرکاری اداروں کے جائزے یہ بتاتے ہیں کہ ملک میں تیزی کے ساتھ جرائم کے ارتکاب میں اضافہ ہوا ہے۔ صرف ایک صوبے کے فراہم کردہ اعداد وشمار پر نظر ڈالی جائے تو ہولناک صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ صرف نو ماہ کے عرصے (جنوری ۲۰۲۰ء تا ستمبر ۲۰۲۰ء) میں

پنجاب میں پولیس کے ریکارڈ کے مطابق قتل کے ۳ہزار ۶ سو ۳۱، اقدام قتل کے ۵ہزار ۲ سو ۶۳، مجروح کرنے کے ۴۷ ہزار ۹ سو ۱۴، اغوا اور اغوا برائے تاوان کے ۲لاکھ ۷۷ ہزار ۱۲، زنا بالجبر کے ۳ہزار ۲ سو ۶۴، اور ڈاکے اور چوری کے ۷۲ہزار ۸۶ مقدمات درج ہوئے ہیں۔ ان میں مقدموں کی وہ بڑی تعداد شامل نہیں ہے جو پولیس تھانوں میں درج نہیں کروائی گئی اور خصوصاً زنا بالجبر کا جرم ان معاملات میں سے ہے، جس کی اطلاع عموماً بہ امر مجبوری ہی پولیس کو دی جاتی ہے۔ ورنہ معاشرتی دباؤ اور پولیس پر عدم اعتماد کی بنا پر بہت سے واقعات پولیس کے علم میں آتے ہی نہیں اور نہ ابلاغ عامہ تک ان کی اطلاع پہنچتی ہے۔

جنسی استحصال کے حوالے سے اس سے قبل ۱۹۷۹ء میں حدود آرڈیننس اور ۲۰۰۶ء میں تحفظِ خواتین بل اور اس کے ۱۰ سال بعد ۲۰۱۶ء میں جرم زنا بالجبر قانون میں ترمیم اور اب مزید تقریباً دس سال بعد حالیہ مجوزہ آرڈی ننس، جزوی تبدیلی کی ایک شکل ہے۔ چنانچہ صورت حال پر اس کا اثر بھی لحاظی اور جزوی ہی ہوسکتا ہے۔ اصل مسئلے کے بنیادی (اخلاقی اور دینی) پہلوؤں کو سمجھے بغیر اس آرڈی ننس کی حیثیت ایسی ہی ہوگی، جیسے ایک طبیب کسی مریض کو بخار میں مبتلا دیکھ کر اسپرین یا پیناڈول تجویز کردے، جب کہ بخار کا اصل سبب برقرار رہے۔

اخلاقی اور دینی پہلو

اسلامی نظام حیات دراصل ایک ایسے اخلاقی ضابطے کا نام ہے، جو انسان کی تمام سرگرمیوں کو الہامی اخلاقی اصولوں کا پابند بنا دیتا ہے۔ قرآن کریم میں مختصر ترین الفاظ میں اس حقیقت کو یہ کہہ کر واضح کر دیا گیا کہ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم ۶۸:۴) ''آپؐ اخلاق کے اعلیٰ ترین معیار پر فائز ہیں''۔ چنانچہ آپؐ نے زندگی کے تمام شعبوں کے لیے الہامی اخلاقی اصول متعین کر دیے۔

یہ اسلام کا امتیاز ہے کہ وہ اخلاق اور قانون کو دو الگ خانوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ اخلاق کے دائرے کو قانون تک وسعت دیتا ہے۔ سود چونکہ ایک غیر اخلاقی کام ہے، اس لیے حرام ہے۔ زنا بالجبر ہو یا محض زنا، ایک غیر اخلاقی کام ہے، اس لیے قابلِ سزا ہے۔ چوری ایک غیر اخلاقی کام ہے۔ اس لیے چور سزا کا مستحق ہے۔ چونکہ ان تمام معاملات میں اخلاقی خلاف ورزی سے پورا معاشرہ خطرات کا شکار ہو جاتا ہے، اس لیے یہ معاشرتی جرائم بھی ہیں اور اسلامی ریاست

ان معاملات میں خاموش تماشائی نہیں بنی رہ سکتی۔ اس کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ وہ تمام فواحش کو معاشرے سے ختم کر کے معروف، برّ، حیا اور وفا کو معاشرے پر غالب کر دے۔ گویا اسلام میں اخلاق کا وجود نظری نہیں ہے بلکہ اطلاقی اور قانونی ہے۔

اخلاق سے مراد ایک مخصوص طرزِ عمل ہے۔ اس طرزِ عمل میں صنفی معاملات کو اوّلیت دینے کے ساتھ ان کی صحت اور مطالبات کے پیش نظر انھیں دنیاوی لذات سے وابستہ نہیں کیا بلکہ روح اور دین سے وابستہ کر دیا گیا ہے، تاکہ فرد دیگر مذاہب کی طرح کسی احساس گناہ کی جگہ حلال، طیب اور احسن طریقے سے اپنی جنسی ضرورت کو پورا کر کے بھی دائرۂ عبودیت میں شامل ہو جائے۔

آج مغرب 'جنسی تعلیم' کو اسکولوں اور یونی ورسٹیوں میں متعارف کرانے کے بعد شرم وحیا اور حلال وحرام کی تمیز کو مٹانا چاہتا ہے۔ اسلام نے اس کے برعکس طہارت، بلوغت، رضاعت اور جنسی تعلق پر تعلیم وتربیت کے نظام کے ذریعے قرآن وحدیث اور سیرتِ پاکؐ کی مثالوں سے وہ تمام پہلو ذہن نشین کرائے ہیں جن کے بعد کوئی صاحبِ ایمان زنا یا اس سے ملتے ہوئے دیگر غیر اخلاقی رویوں کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ قرآن وسنت کا انداز تعلیمی ہے، جب کہ مغرب سے درآمد کردہ جنسی تعلیم کا مقصد ان کے اپنے الفاظ میں صرف 'محفوظ جنسی زندگی' (safe sex) ہے جس میں کہیں آس پاس بھی یہ احساس نہیں پایا جاتا کہ یہ حیوانات کی طرح ایک ضرورت نہیں بلکہ قرآن کریم نے حلال وحرام کے اسلامی اصولوں کی روشنی میں اسے اخلاقی قیود کا پابند کیا ہے اور حصولِ لذت کو بھی رضائے الٰہی کے تابع کر دیا ہے۔

لادینی مغربی ذہن، اخلاق اور قانون کو دو الگ دائروں میں تقسیم کرتا ہے۔ قانون کو اجتماعی مگر اخلاق کو ہر فرد کا ذاتی معاملہ قرار دیتا ہے۔ اس ذہن کے ساتھ زیر بحث معاملے پر جب کسی مسلم ملک میں قانون سازی کی جاتی ہے یا موجود قوانین میں ترمیم کی جاتی ہے تو بنیادی مفروضہ یعنی 'محفوظ جنسی زندگی' کے اخلاقی جواز اور شرعی حیثیت کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ صرف اس پہلو پر غور کیا جاتا ہے کہ کتنی عمر تک اگر یہ فعل کیا جائے تو اسے قانون کی نگاہ میں جرم کہا جائے گا اور کتنی عمر کے بعد اگر رضامندی سے یہ فعلِ بد کیا جائے، تو پھر یہ نام نہاد انفرادی انسانی حقوق اور Humanism کی بنا پر قانون کی دسترس میں نہیں آئے گا۔ یاد رہے 'ہیومنزازم'

مغرب کے معاشرے کو عیسائیت سے نجات دلانے کا علَم بردار ہے، اور ہر فرد کو یہ حق دینے کا نام ہے کہ کیا چیز اچھی اور اخلاقی ہے اور کیا چیز بُری اور غیر اخلاقی ہے۔ اسی تصور کو آج ہماری وزارتِ تعلیم 'اخلاقی اصلاح' کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ کوشش کی جارہی ہے کہ ہم بھی اسلام کو نظرانداز کر کے ذاتی پسند اور ناپسند کی بنا پر اپنا رویہ طے کریں۔

حالیہ ترامیم کے حوالے سے یہ بھی پیش نظر رہے کہ اگر مروجہ قوانین جنھیں ۱۸۶۰ء میں انگریز نے وضع کیا تھا، وہ آج تک اس گھناؤنے فعل میں کمی نہ کر سکے تو کیا اب ان قوانین میں چند تبدیلیاں یا ترامیم کرنے سے مسئلہ حل ہوجائے گا؟ ایسی پیوندکاری ہمیشہ ناکام رہتی ہے۔

نفسیاتی پہلو

ماہرین نفسیات اس گھناؤنے جرم کے مرتکب افراد کے بچپن کو ان ناخوش گوار واقعات کا ذمہ دار ٹھیراتے ہیں۔ ماہرینِ سماجیات کے مطابق عموماً مجرم بعض اوقات خود کسی نہ کسی ذلت آمیز رویے کا شکار رہ چکا ہوتا ہے۔ قبلِ بلوغ یا بعداز بلوغ اس کے ساتھ کوئی اس سے ملتا جلتا واقعہ گزرا ہوتا ہے، جس میں خود اس پر زیادتی کی گئی اور پھر موقع ملنے پر بطور ایک انتقامی رویّے کے اسے ارتکابِ جرم پر اُبھارتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی تجزیاتی طور پر کہی جاتی ہے کہ بعض اوقات انسانی نفس بعض ہیجانات کا تابع ہوجاتا ہے جن کا تعلق دوسرے کو تکلیف دے کر لذت حاصل کرنے سے ہوتا ہے۔ ان اندورونی محرکات کے ساتھ بعض اوقات ہیجان انگیز لباس، خوشبو یا ایسی جسمانی حرکت جو دیکھنے والے کے جذبات کو بھڑکا کر اسے جارحانہ رویوں پر ابھار دیتی ہے۔

بلاشبہہ ان اُمور کا تعلق بھی جرم کے ارتکاب سے ہوسکتا ہے، مگر انسانی نفسیات کے ان تمام امکانات کے پیش نظر اسلام کے نظامِ حیا اور قانون میں ان اندرونی اور بیرونی محرکات کے اثرات سے بچنے کے لیے قرآن نے غضِ بصر کی تاکید کی ہے۔ مزید برآں ساتر لباس کے استعمال اور لوچ نہ پیدا کرنے کے علاوہ، خون کے رشتوں میں بھی مخالف جنس کے جسم سے مس نہ کرنے اور تنہائی میں مخالف جنسوں کے جمع نہ ہونے کا حکم دیا ہے۔ سب سے بڑھ کر اللہ کے خوف سے گناہ سے بچنے کے تصور کے ذریعے برائی کے امکانات کو کم سے کم کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ چنانچہ جن مسلم معاشروں میں اسلامی اخلاقی اقدار پر عمل کیا جاتا رہا ہے، وہاں بے راہ روی کا تناسب

حددرجہ کم دیکھنے میں آتا ہے۔

اس تناظر میں مجوزہ حکم نامے میں اس بُرے فعل کے عادی یا غیر عادی مجرم کو برضا یا آپریشن سے ایک ایسی صلاحیت سے محروم کرنا ہے جسے خالق کائنات نے تمام انسانوں کے خمیر میں رکھا ہے اور جسے اپنی حدود میں رکھنے اور اس کے صحت مند، جائز اور حلال استعمال کو پسند فرمایا ہے۔کسی انسان کو اس صلاحیت سے محروم کر دینا نفسیاتی زاویے سے اس کے اندر جذبۂ انتقام کو مزید بھڑکانے کا سبب بن سکتا ہے اور شاید قانونی پیچیدگیوں کی بنا پر مزید مشکلات کا سبب بھی بن جائے۔ حکومت کے قانونی مشیر اور ان دوسرے ماہرین نے اس پہلو پر غور نہیں کیا ہے۔ہم دوبارہ عرض کریں گے کہ چوری اور دیگر غیر انسانی افعال کا سدباب محض ایک نیا قانون بنا دینے اور نظامِ قانون اور پولیس اور تفتیش کے نظام کو جوں کا توں رکھنے سے نہیں ہوسکتا۔

انسانی جسم میں اصل خفیہ کیمرہ (hidden camera) اس کا اپنا ایمان ہے، اور احساس آخرت ہے، اور نفس انسانی یا انسانی جان کا احترام ہے جو قرآن وحدیث نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ ایک فرد کا قتلِ ناحق تمام انسانیت کا قتل ہے۔ اور یہ کہ ایک فرد کی عزت کو مجروح کرنا پورے معاشرے کی عزت کو مجروح کرنے کے مترادف ہے۔ یہ چیز کسی درآمد شدہ ہیومنزازم سے حل نہیں کی جاسکتی اور نہ اقوام متحدہ کے عنایت کردہ اقوامِ عالم کے لیے 'ہزار سالہ ترقیاتی اہداف' (M.D.G's) کی فرماں بردارانہ پیروی ہی اس کا حل ہے۔

اس مرحلے میں ہمیں خود اپنے آپ سے یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم نے گھر میں یا ابتدائی اسکول میں اپنے بچوں اور بچیوں کو شرم وحیا، پاکیزگیِ نگاہ وزبان، رشتوں کے احترام، اللہ کی محبت اور اس کے تقاضوں، آخرت میں جواب دہی کے احساس کے بارے میں کچھ بتایا ہے؟ اور کیا انھیں یقین دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے اور دو فرشتے ہمہ وقت ہمارے ہر عمل کو تحریری شکل میں قلم بند کر رہے ہیں اور یوم حساب ہمارا اعمال نامہ ہمارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ ایک بچے یا بچی کو گھر کی ابتدائی تعلیم میں اسلام کے ابدی عالمی اخلاقی اصولوں کو ذہن نشین کرا دیا جائے تو ان شاء اللہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آکر کوئی غلط فکر یا غلط عمل اختیار کرنے کی طرف مائل نہیں ہوگا۔

شرعی پہلو

مسلمان کی زندگی ہو یا موت، گھریلو معاملات ہوں یا معاشرتی اور معاشی سرگرمیاں، ہر چیز کی بنیاد شریعت پر ہے۔ شریعت نے بعض افعال کو سخت ناپسند کرتے ہوئے 'فحش' سے تعبیر کیا ہے اور غیر اخلاقی (ناجائز) جنسی تعلق کو چاہے وہ محض نگاہ کی آوارگی ہو، یا زبان و بیان کے ذریعے دعوتِ گناہ، یعنی ہر طرح کی بُرائی کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے ایک نظام شرم وحیا دیا ہے، اور بچوں کو ہوش سنبھالنے کے ساتھ اس کی تعلیم دینا والدین پر فرض کر دیا ہے۔ ابھی بچہ محض دس سال کا ہے اور اس کا بستر الگ کر دینا ضروری ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ جنسی فاصلے کا اہتمام کیا جائے۔ بلوغ کے بعد مزید واضح احکامات ملتے ہیں۔ تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود اگر ایک شخص ہوائے نفس کی غلامی اختیار کرتا ہے تو پھر غیر شادی شدہ ہونے کی شکل میں (زنا کی سزا کے طور پر) اُسے سو کوڑے کھلے عام لگائے جائیں تاکہ معاشرے میں فحش کام کرنے کی کسی میں ہمت نہ ہو اور اگر یہ فعل کسی شادی شدہ فرد نے کیا تو اسے پورے معاشرے کے لیے عبرت بنانے کے لیے سنگسار کرنا نہ صرف شریعتِ محمدیؐ بلکہ شریعت موسویؑ اور شریعت عیسویؑ دونوں میں فرض کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے جب تک مسلم معاشرے میں شرعی قوانین کا نفاذ رہا یہ برائی سر نہیں اٹھا سکی۔ آج بھی اگر اس بدفعلی کو ختم کرنا ہے تو اسلام کے ابدی اور عالم گیر قوانین کا نفاذ ہی اس کا حل ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور ۲۴:۲) بدکاری کرنے والی عورت اور مرد (جب ثابت ہو جائے) دونوں میں سے ہر ایک کو سو دُرّے مارو۔ اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو شریعت الٰہی کے حکم میں تمھیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو۔

فقہا اور مفسرین نے خواتین کے ساتھ زیادتی کرنے والوں پر وہی حکم لگایا ہے جو حرابہ [فساد برپا کرنے] والوں پر نافذ ہوتا ہے۔ شریعت کے ہر حکم کی بنیاد وحی کی فراہم کردہ علت وحکمت پر ہے اور اگر شریعت کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ نافذ کیا جائے تو یہ برائی کو اس کی جڑ سے ختم کرنے

کا بہترین حل پیش کرتی ہے۔

اس کے برعکس ہمارے ابلاغ عامہ کے ادارے، مساوات مرد و زن کے مغربی تصور کے اظہار کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ ہر موقعے پر، جب تک اسکرین پر ایک نوجوان اور جدید ترین مغربی فیشن سے لیس ایک خاتون کو اُچھل کود اور حرکات کرتے ہوئے پیش نہ کریں تو ناظرین کو ان کی 'روشن خیالی' پر یقین نہیں آئے گا۔ نیم عریاں شکل میں ہندو ثقافت یا مغربی تہذیب کی پیروی کرتے ہوئے اشتہارات کا مسلسل نظر آنا بصری استحصال کے ساتھ احساسِ شرم و حیا کی حس کو غیر محسوس طور پر بے حس بنانے کا ذریعہ ہے، تاکہ ناظرین غیر شعوری طور پر اس ہندوانہ اور مغربی ثقافت کی طرف راغب ہوجائیں۔

مجوزہ آرڈی ننس کا مختصر جائزہ

آئین پاکستان کسی پارلیمنٹ یا وزارت کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ کوئی بھی قانون اسلامی شریعت کی بنیادی تعلیمات کے منافی بنایا جا سکے۔ ایسی قانون سازی آئین کی خلاف ورزی اور ریاست مدینہ کی ضد ہے۔ اس لیے ایسی تجاویز کو کسی بھی صورت میں ملکی قانون کا حصّہ نہیں بنایا جاسکتا:

۱- مجوزہ آرڈی ننس 'خصوصی عدالتوں' کے قیام کا مشورہ دیتا ہے۔ اگر معروضی طور پر دیکھا جائے تو حدود آرڈی ننس کا نفاذ بھی اسی غرض سے کیا گیا تھا، تو کیا اس کے جاری ہونے سے جرائم کے روک تھام میں کمی واقع ہوئی؟

۲- 'زنا بالجبر سے حفاظت کے شعبے' (Anti Rape Crises Cells) کے قیام کی تجویز ہے، جس کا سربراہ ایک کمشنر یا ڈپٹی کمشنر ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ کیا بیوروکریسی ہی کے اختیارات میں اضافہ اس مسئلے کا حل ہے؟ اور کیا یہ افسران اس خصوصی معاملے میں کسی خاص مہارت کی بنا پر مقرر کیے جائیں گے؟

۳- ایف آئی آر کے جلد اندراج اور کیمیاوی اور فرانزک تجزیے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تو آج بھی موجود ہے، لیکن کیا یہ مؤثر ہے؟ ہمارے موجودہ انتظامی اور سماجی نظام میں کیا ایک مجروح فرد کسی بااثر فرد کے خلاف ایف آئی آر کٹوا سکتا ہے؟

۴- متاثرہ فرد سے عدالت کے کمرے میں جرح کا حق صرف وکیل کو دیا جا رہا ہے، کیا

اس طریقے سے متاثرہ فرد کو اپنی بات کہنے میں سہولت ہو جائے گی ؟

۵- کیا متاثرہ فرد کو سرکار کی جانب سے قانونی امداد ایک قابلِ عمل تجویز ہے؟

۶- کیا مقامی پولیس افسران پر مشتمل جے آئی ٹی کے قیام سے غیر جانب دار تحقیق و تفتیش ممکن ہو سکے گی؟

۷- کیا صرف جنسی جرائم کرنے والوں کی تفصیلات یک جا کر کے اس برائی کو دُور کیا جا سکتا ہے؟

۸- کیا زنا کی ایک نئی تعریف جو دور غلامی میں انگریز کی وضع کردہ تعریف سے بہت مختلف نہیں ہے، اس کی بنیاد پر جرم کی کثرت و شدت میں کمی یا قانون کی گرفت میں اضافہ ہو سکے گا؟

۹- جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ایک عادی مجرم کو جنسی صلاحیت سے کیمیاوی یا جراحی طریقے سے محروم کرنے کا عمل کیا زنا کے (ماقبل) مختلف مراحل کو بھی روکنے کا باعث بن جائے گا؟ عقل اور تجربہ اس بات کو ماننے پر آمادہ نہیں ہیں، یا ایک مجروح سانپ کی طرح ایسا مجرم مزید انتقامی جذبات میں مبتلا ہو جائے گا۔

اسلام نے تو 'توبۃ النصوح' کا مفہوم یہ سمجھایا ہے کہ فرد اپنے اندر سے یہ عہد کرے کہ وہ خلوصِ دل کے ساتھ دوبارہ اس غلطی کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ کیا مروجہ فرسودہ نظام میں کوئی جزوی تبدیلی مجرم میں اس احساس کو بیدار کر سکتی ہے؟

معاشرتی پہلو

جنسی اخلاقیات کا نظر انداز کیا جانا معاشرے کی صحت و استحکام کو براہ راست متاثر کرتا ہے۔ اگر رشتوں کی حرمت و احترام کی اہمیت کو کم یا ختم کر دیا جائے تو ایک بچہ اور بچی اپنے گھر میں بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔

پاکستان میں بیرونی امداد سے چلنے والی این جی اوز، جو اسی موضوع پر کام کرنے کی دعوے دار ہیں۔ ان کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ مجرمانہ حملہ کرنے والے سب اجنبی نہیں تھے، ان میں رشتہ دار، پولیس والے، پڑوسی اور اجنبی کے علاوہ ڈرائیور، اور ڈاکٹر اور اساتذہ تک شامل ہیں۔ اس زمینی حقیقت کے پیش نظر ایک نام نہاد نظامِ عدل جو ۱۸۶۰ء کے برطانوی قانون میں

زنا کی تعریف (''زنا دراصل ایک شادی شدہ خاتون کے اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف کسی دوسرے فرد سے تعلق کا نام ہے'') کے بل پر چل رہا تھا، اور جو تعریف حدود آرڈی ننس کے آنے تک ہمارے قانون میں برقرار تھی، وہ معاشرے کو کچھ نہ دے سکی۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ اسی قانون کے دفاع میں ایک معروف این جی او کی لیڈر نے یہ بات لکھی تھی کہ ''۱۸۶۰ء کا قانون خواتین کے لیے رحمت تھا''۔ ایسے اسلام کے منافی قانون میں آپ جتنے پیوند اور ایسے دیمک شدہ درخت میں جتنے قلم صحت مند شاخوں کے لگالیں نتیجہ ڈھاک کے تین پات ہی ہوگا۔

دینی نقطۂ نظر

اسلام دینِ کامل کے طور پر فرد اور معاشرے کے مسائل کو ایک فطری اور اخلاقی زاویے سے حل کرنا چاہتا ہے اور محض نظری طور پر نہیں بلکہ عملاً ٹھوس تاریخی حقائق کے ساتھ ان مسائل کا کامیاب حل ہمارے سامنے رکھتا ہے۔ جو فساد اور غیر اخلاقی رویہ آج مغرب و مشرق کی پہچان بن گیا ہے، یہی مشکل کل اسلام سے قبل دنیا کی تھی۔ وہ عرب ہو یا عجم یا روم اور افریقہ کے افراد، سب اخلاقی زوال کا شکار تھے۔

اسلام کی عالمی اخلاقی اقدار نے محض ۲۳ سال کی مدت میں وہ فرد اور معاشرہ پیدا کر دیا، جو آج بھی للّٰہیت، اعلیٰ اخلاق کریمانہ اور عفو و درگذر، اُلفت و اخوت کے ساتھ قانون کے احترام کی اعلیٰ مثال پیش کرتا ہے۔ جو مقدمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنسی معاملات میں پیش کیے گئے وہ کسی پولیس یا خفیہ ادارے کا کارنامہ نہیں تھے، بلکہ ایک فرد کا اپنا ضمیر اسے اس بات پر مجبور کرتا تھا کہ اس سے جس غلطی کا ارتکاب ہوگیا، اسے اس سے پاک و صاف کر دیا جائے۔ یہ اندر کا مفتی اسے بے چین رکھتا تھا۔ اسے کسی جابر و قاہر قاضی یا فوجی حکمران کا خوف اقرار پر نہیں اُبھارتا تھا۔

مسئلے کا حل محض بوسیدہ قانون میں پیوند کاری نہیں ہے۔ جس مقصد اور نصب العین کے لیے پاکستان وجود میں آیا، وہ قائداعظم کے اپنے الفاظ میں اسلامی نظریۂ حیات کو اس خطے میں نافذ اور رائج کرنا تھا، اور یہ کام محض صدارتی حکم نامے سے نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے تعلیم، ابلاغ عامہ، قانون سازی، گھر کے اندر کے ماحول، نام نہاد ثقافتی سرگرمیوں، غرض تمام معاشرتی، معاشی، سیاسی، تعلیمی اور قانونی اداروں کو مل کر کام کرنا ہوگا۔ یہ ایک انفرادی اور اجتماعی شخصیت کی تعمیرِ نو ہوگی۔

ایک نیا انسان وجود میں آئے گا، جس کی زندگی، جس کا مرنا، جس کی عبادت وقربانی، جس کی فکر اور عمل، جس کی معیشت، سیاست، غرض اس کی تمام سرگرمیاں اس اخلاق فاضلہ کی پابند ہوں گی جسے قرآن کریم نے تمام انسانوں کے لیے اسوۂ حسنہ اور ایک قابل عمل مثالی کردار و سیرت قرار دے کر ہم پر اپنے خصوصی فضل کا اظہار فرمایا ہے۔ قرآن اور سنت کا دیا ہوا اخلاق وہ قوت فراہم کرتا ہے جو شیطان کی ہر چال اور اس کے ہر جال کو تار تار کرسکتی ہے۔ یہ خاموش انقلاب کسی تشدد کے بغیر نہ صرف پاکستان بلکہ پوری انسانیت کو تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچا سکتا ہے۔

ضرورت یہ ہے کہ زندگی سے دورنگی، دوعملی اور تضادات کو نکال کر، صرف اور صرف اللہ کو اپنا رب اور حاکم بنالیا جائے۔ یہ شعوری قدم قوم کی قسمت جگانے اور اسے اخلاقی زوال، فحاشی کے سیلاب اور بداعمالیوں کی دلدل سے نکالنے کے لیے کافی ہے۔ آغاز اپنے گھر سے کرنا ہوگا، اپنی تعلیم گاہ سے، اپنے کاروبار کے ادارے سے ـــــ غرض جہاں کہیں بھی کوئی باشعور مسلمان ہے، وہ کسی بیرونی امداد کے بغیر اس مقدس کام کا آغاز کرسکتا ہے۔ یہ اجتماعی جدوجہد اس بڑے اور وسیع شیطانی سیلاب کے سامنے بند باندھ کر معاشرے کے رُخ کو تباہی کے بجائے بھلائی کی طرف موڑ سکتی ہے۔ اس ابتدائی اور بنیادی کام کے بغیر محض قیادت یا چہروں کی تبدیلی سے یہ کام نہیں ہوسکتا۔ ہمیں توحید، معروف، عدل، صداقت اور حیا کا نظام قائم کرنا ہوگا۔ اسلامی نظام ایمان، عزم اور خونِ جگر کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ صبر و استقامت کے ساتھ طویل جدوجہد کا متقاضی ہے۔

زندگی کا ایک سال اور کم ہوگیا!

- صاحبو! وقت بڑی تیزی سے گزرتا چلا جارہا ہے۔ زندگی کی مہلت لحظہ بہ لحظہ گھٹتی چلی جارہی ہے۔ اس دنیا میں جینے کی جو مدت ہمارے لیے مقرر کی گئی تھی، وہ ایک سال اور کم ہوگئی ہے، اور حساب کا دن ایک برس اور قریب آ گیا ہے۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جن کو اس امر کا احساس ہوا، اور جو اپنی زندگی کے اصل مقصد کو سمجھنے اور اسے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوئے؟
- ابھی وقت ہے کہ ہم ذرا دُور اندیشی سے کام لیں اور اپنی گزری ہوئی زندگی کا جائزہ لیں، اپنے نفع و نقصان کا حساب لگائیں اور یہ دیکھیں کہ جس زندگی اور اس کے ساز و سامان کو امانتاً لے کر اس دنیا کے بازار میں کچھ کمانے کے لیے آئے تھے، ان کے ساتھ ہم نے کیا کیا؟ ان کا کس قدر حصّہ نفع بخش کاموں میں لگایا، کس قدر اپنی نادانی سے بے کار کھو دیا، اور کس قدر ـــــ دانستہ یا نادانستہ ـــــ اس صاحبِ امانت کے منشا، بلکہ اس کے صریح احکام و ہدایات کے خلاف دوسرے کاموں میں خرچ کر ڈالا۔

ہاں، اب بھی وقت ہے کہ یہ سوچیں کہ جس قدر سرمایہ ہم سے کھو گیا یا ہم نے کھو دیا، کیا اس کے لیے ہمارے پاس کوئی ایسے معقول وجوہ موجود ہیں کہ اس سفرِ دُنیا سے واپسی پر، جب ہم اپنے اس علیم و خبیر خالق و مالک اور صاحبِ امانت کے سامنے حساب کے لیے بلائے جائیں تو قابلِ درگزر ہی قرار پا جائیں؟

میاں طفیل محمد

(دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات)

عطیۂ اشتہار: صوفی بابا